ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

اردو غزل کی حیات نو: ناصر کاظمی

REVIVAL OF URDU GHAZAL: NASIR KAZMI

1.Imran Haider,
Lecturer Urdu Government Associate College Kameer Town Sahiwal,
imranhaider211eb@gmail.com
2. Dr. Parveen Kallu ,
Associate Professor Urdu Department , Government College University Faisalabad,
3.Muhammad Umar,
Lecturer Government Degree College Gul Abad Dir (Lower)

Abstract

Nasir Kazmi raised the concept of grief from the level of his self and gave it a universal color and carved such beautiful figures that it is as if we hear the voice of our own heart.

You can imagine that a person who is suffering from various pains all the time, how much his mental state is inflamed. He sees all the colors of life as dull, all the flowers without color and smell, and all the work as meaningless. His actions reflect his emotions. Mental chaos and anxiety have reached the limit and he finds no way to get out of this state and anxiety. In such a situation, the poet's impudence, anxiety, dejection itself takes pity on his condition and tells him that you are disturbed by this chronic condition, so let's take you outside for a walk. But this point is also hidden in it that the external state is not separate from this internal state. The poet is witnessing a level of pain and suffering where everything inside and outside is the same. For him, there is always darkness of sorrows, everywhere there is sadness, every step is helplessness, every moment is despair, every moment is pain and anxiety.

Nasir Kazmi's books include "Deewan (poems) ", "Barg-e-Nay (poems)", "Pahli Barash (poems)", "Nishat-e-Khwab (poems)", "Sur Ki Chaya (poetry drama)". and "KUliat" while the prose books include "Dry Spring Bank" and "Diary... Chand pareshan awraq".

Key Words:
Revival of Urdu Ghazal, Nasir Kazmi, concept of grief, emotions. Mental chaos, anxiety, dejection itself, darkness of sorrows, helplessness, Deewan (poems) ", "Barg-e-Nay (poems)", "Pahli Barash (poems)", "Nishat-e-Khwab (poems)", "Sir Ki Chaya (poetry drama)", "Kuliyat", "Dry Spring Bank","Diary... Chand pareshan awraq".

درد کے شاعر، روایت میر کے امین اور محبت کے سفیر ناصر کاظمی ۸ دسمبر ۱۹۲۵ بروز ہفتہ کی علی الصبح اپنے نانا مرحوم کے گھر محلہ قاضی واڑہ (انبالہ، بھارت) میں پیدا ہوئے۔(۱) اُن کا نام ناصر رضا کاظمی رکھا گیا۔ بعد میں اُنھوں نے اپنے نام کے ایک حصے ''ناصر'' کو اپنا تخلص بنالیا۔ ناصر کے والد سید محمد سلطان بن شریف الحسن فوج میں تھے اور والدہ کنیز محمدی شہر انبالہ مشن گرلز سکول میں معلمہ تھیں۔ ناصر کے والدین نہایت شریف النفس اور تعلیم یافتہ تھے۔ انھوں نے ناصر کی پرورش شہزادوں کی طرح کی۔ ناصر نے ابتدائی تعلیم مختلف شہروں میں حاصل کی۔

ناصر کی ڈائریوں اور دوست احباب کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کا بچپن بڑا شاندار گزرا۔ اُن کے ہر طرح سے ناز و نعم اُٹھائے گئے۔ اُن پر کبھی سخت پابندی نہیں لگائی گئی۔ یوں بھی وہ پابندیوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اپنی مرضی پورا کرنے میں اُنھیں جو رکاوٹ نظر آتی وہ اُسے ہٹانے کی سعی کرتے۔ انھیں وقت کی پابندی سب سے ناگوار گذری۔ ناصر کو گھنٹے کے وقت پر بجنے سے سخت چڑ تھی۔ کیوں کہ اس آواز کو سنتے ہی انھیں خیال آتا کہ اب کبوتروں کو چھوڑ کر سکول جانا پڑے گا۔ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ :

> ''جی میں بگڑتا کہ انسان نے یہ کیسی عجیب چیز ایجاد کی ہے جس نے ساری دُنیا کو پابند کر کے رکھ دیا۔ یہ گھڑی میرے اور میرے کبوتروں کے درمیان دیوار بن گئی تھی۔ ایک روز میں نے اس گھڑی کی چابی کو اس زور سے گھمایا کہ وہ چلتے چلتے ٹھہر گئی۔''(۲)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

عموماًالاڈپیار سے بچے بگڑ جاتے ہیں لیکن ناصر کے آس پاس بسنے والے اہل علم اور صاحب ذوق لوگ تھے۔اس لیے ناصر کو اچھے بُرے کی تمیز کا شعور پیدا ہو گیا اور اُن کے ذوق کی تربیت بھی ہوئی۔

ناصر کو بچپن میں کبوتر بازی کا شوق تھا۔ سکول سے فرار، باغوں کی سیر، وہاں کے پھولوں کی چوری اور کھیل کود ناصر کے پسندیدہ مشاغل تھے۔

اُن کے بقول:

> ''میرے سارے ہی شغل ایسے تھے جن کا تعلق تخلیق سے اور فنونِ لطیفہ سے ہے۔ موسیقی، شاعری، شکار، شطرنج، پرندوں سے محبت، درختوں سے محبت یہ سب جو ہے معلوم ہوتا ہے کہ میرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا۔''(۳)

لیکن کھیل کود اور ان دلچسپیوں کے باوجود وہ تعلیم کے میدان میں بھی لائق تھے۔ماؤں کو عموماً ناصر کے گھر والوں سے یہ شکایت رہتی کہ اُن کا بچہ ہمارے بچوں کو پڑھنے نہیں دیتا۔اور خود ناصر کے نمبر ہمیشہ اچھے آتے تھے۔اپنی پہلی محبت اور شاعری کے متعلق ناصر کاظمی اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

> ۱۹۳۷ء میں جب میری عمر ۱۳ برس کی تھی پہلی بار مجھے دل میں ایک خلش محسوس ہوئی۔اس کی ذمہ دار ایک پھول سی لڑکی تھی جس کا نام حمیرا تھا۔اور اُسے سب بالو کہہ کر پکارتے تھے۔میرے والد ڈگشائی میں میجر جنرل بینگلے کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔وہاں ہمارے مکان کے ساتھ ایک ڈرائی کلینرز رہتا تھا۔یہ فتنہ اُن کے گھر سے اُٹھا۔اور آج تک دامن گیر ہے۔ حمیرا اب یاد تو نہیں لیکن بھولی بھی نہیں۔ یہاں سے میری شاعری کا آغاز ہوا۔اُن دنوں میں ننھی منی نظمیں کہتا تھا اور اختر شیرانی مرحوم کے شعر بہت چاؤ سے پڑھتا تھا لیکن والدہ کے اصرار پر غزل شروع کی۔خود حمیرا بھی غزل کی شیدائی تھی۔''(۴)

اُنھوں نے ۱۹۳۹ء میں مسلم ہائی سکول انبالہ سے میٹرک کیا۔ ۱۹۴۰ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔کالج میں ناصر ہمیشہ بنے سنورے رہتے۔شاندار لباس زیب تن رکھتے۔وہ نہایت وضع دار اور شائستہ انسان تھے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ بلا کے نفیس اور نازک مزاج بھی تھے۔اُن کے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے سے قرینہ اور سلیقہ جھلکتا تھا۔ناصر فطرت پرست اور جمال پرست تھے۔ہمیشہ اپنی صحت کا خیال رکھتے۔ان خوبیوں کی بنا پر کالج میں ساتھی اُنھیں Prince کہتے تھے۔ناصر نے باقاعدہ شاعری کا آغاز بھی اسی دور میں کیا۔ غالباً ۱۹۴۰ء کے آس پاس اُنھوں نے شعر کہنا شروع کیا۔

وہ روح خیال جان مضمون
دل اُس کو کہاں ڈھونڈ لائے
آنکھیں تھیں دو چھلکتے ساغر
عارض کہ شراب تھر تھرائے
اُڑتی ہوئی زُلف یوں پریشاں
جیسے کوئی راہ بھول جائے
کچھ پھول برس پڑے زمیں پر
کچھ گیت ہوا میں لہلہائے(۵)

بہر حال محبتیں کامیاب ہوں یا ناکام ایک تخلیق کار کے فکر و فن پر ضرور اثر انداز ہوتی ہیں۔ناصر کاظمی کو بھی محبت اور ہجرت نے تخلیقیت سے مالا مال کیا۔ ناصر کی والدہ خوش گلو تھیں۔وہ میر کے اشعار گنگنایا کرتی تھیں۔یہی وجہ ہے کہ ناصر کا ترنم بھی اچھا تھا۔وہ مشاعروں میں ترنم سے اشعار پڑھا کرتے تھے۔ناصر اپنی والدہ کے متعلق ڈائری میں لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

"میری والدہ انبالہ شہر میں سب سے پہلے سینئر پاس کر کے مشن گرلز سکول میں معلمہ ہوئیں۔ میر تقی میر ،، میر انیس اور میر حسن کی خاص مداح تھیں۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۴۹ء کی صبح کو دماغ کی بیماری سے چل بسیں۔ (۶)"

ناصر نے ابھی بی۔اے کی ڈگری نہیں لی تھی کہ پاکستان بن گیا۔ ناصر کو اپنے خاندان اور دوستوں عزیزوں کے ہمراہ ہجرت سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ سوائے مختصر سامان کے کچھ نہ لا سکے۔ جس تکیہ میں نوٹ سی رکھے تھے وہ راستے میں کہیں گم ہو گیا۔ تقسیم کے فوراً بعد فسادات اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ لاکھوں لوگ مارے گیا اور عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ ان حالات کا اثر ناصر پر پڑا۔ معصوم بچوں کو والدین کے سامنے قتل کہ بھی ہوا اور وہ چپ نہ رہ سکے۔

شہر در شہر جلائے گئے
یوں بھی جشن طرب منائے گئے

برصغیر کے باشندوں نے جس سحر کی امید میں قربانیاں دی تھیں، جب انھیں وہ نظر نہ آئی تو وہ مضطرب و بے چین ہوئے۔ اور احساس شکست نے انھیں گھیر لیا۔ ان حالات میں شعرا نے میریت کی طرف مراجعت کی۔ اس طرح میر کا لب و لہجہ اُردو غزل میں پھر سنائی دینے لگا لیکن میر کی تقلید ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے بہتوں نے اس میدان میں ٹھوکر کھائی۔ ناصر کاظمی نے میریت کو اپنی روح میں پوری طرح سمو لیا۔ اُنھوں نے قدیم و جدید گل ہائے رنگا رنگ کو اس طرح گلدان میں سجا کر ایوان غزل کی زینت بنایا کہ فضائے شعر معطر ہو گئی۔ اُن پر نہ ترقی پسندی کا لیبل لگ سکا اور نہ میر پرستی کا۔ اُنھوں نے اپنا ایک منفرد اور امتیازی لب و لہجہ اُردو غزل میں متعارف کرایا۔ اسی وجہ سے ناصر کو "غزل کو حیات نو بخشنے والا مسیحا" بھی کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کی رائے میں:

"ناصر کاظمی کی غزلیں فیض، حفیظ اور مجروح سے بالکل مختلف ہیں۔ ان کی حیثیت ایک نئی آواز کی ہے۔ انہوں نے جو عظیم تجربہ اُردو غزل میں کیا ہے، اس نے تو غزل کی فضا ہی کو بڑی حد تک بدل دیا ہے۔ اُن کے یہاں دوسرے جدید غزل گو شعرا کی طرح غزل کی روایت کا عام ماحول نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں ایک نیا ماحول قائم کیا ہے۔ ایک نئی فضا تیار کی ہے اور اس میں بڑی حد تک ان کی اس نئی Imagery کو دخل ہے جس کا تار و پود انہوں نے اپنے گرد و پیش سے لیا ہے۔" (۷)

ترے ملنے کو بیکل ہو گئے ہیں
مگر لوگ پاگل ہو گئے ہیں
بہاریں لے کے آئے تھے جہاں تم
وہ گھر سنسان جنگل ہو گئے ہیں
انھیں صدیوں نہ بھولے زمانہ
یہاں جو حادثے کل ہو گئے ہیں (۸)

رونقیں تھیں جہاں میں کیا کیا کچھ
لوگ تھے رفتگاں میں کیا کیا کچھ
کیا کہوں تم سے اے خزاں والو
جل گیا آشیاں میں کیا کیا کچھ (۹)

ناصر کاظمی ہجرت کے بعد نئے شہر میں نئے ماحول کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو سکے۔ انھوں نے زندگی کا بیشتر آوارگی، لاپرواہی اور شب بیداری کے ساتھ گزارا۔ اُن کو دھیان کے آتش دان میں مجھے دنوں کا ڈھیر نظر آتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

دھیان کے آتش داں میں ناصر
بجھے دنوں کا ڈھیر پڑا ہے(۱۰)

ہجرت نے اُن کو ایسے کرب سے دوچار کیا ہے کہ وہ ذکر رودادِ سفر سے بھی ڈرنے لگے ہیں۔

رودادِ سفر نہ چھیڑ ناصر
پھر اشک نہ تھم سکیں گے میرے (۱۱)

"پاکستان آنے کے بعد شادی تک ناصر نے کوئی نوکری نہ کی۔ ناصر کاظمی کی شادی ۷/جولائی ۱۹۵۲ء کو منٹگمری میں ہوئی۔"(۱۲)

اور اسی روز ان کا پہلا شعری مجموعہ "برگ نے" منظر عام پر آیا۔ حلقہ ارباب ذوق اور کافی ہاوس کے دوست احباب بارات میں شامل تھے۔ اُن کی بیگم کا نام شفیقہ بانو تھا جو نہایت نیک دل عورت تھیں۔ انھوں نے آتے ہی گھر سنبھال لیا اور شوہر کی سبھی عادات سے سمجھوتہ کر لیا۔ ناصر کو کبھی ان سے شکایت کا موقع نہ مل سکا۔ شادی کے بعد ناصر کچھوٹی موٹی ملازمتوں سے گھر کا نظام چلاتے رہے۔ پونے پانچ سال تک رسالہ "ہمایوں" کی ادارت کی۔ پھر یہ رسالہ بند ہو گیا تو اپنا رسالہ "خیال" نکالا جو چل نہ سکا۔ پھر محکمہ اطلاعات کے ایک شعبے میں ملازم ہوئے۔ یہ شعبہ ختم ہو گیا تو "ہم لوگ" کے ایڈیٹر رہے۔ زندگی کے آخری تقریباً سات آٹھ سال تک ریڈیو پاکستان سے وابستہ رہے۔ ناصر کے دو صاحبزادے سید باصر سلطان کاظمی اور سید حسن سلطان کاظمی ہیں جن سے ناصر بہت پیار کرتے تھے۔ شروع میں وہ گھر سے لاپرواہ تھے لیکن رفتہ رفتہ وہ اپنے بیوی بچوں کے بے حد قریب آ گئے۔ بیٹوں سے دوستوں کا سا سلوک کرتے تھے۔

ناصر کے بچپن کے دوستوں میں افتخار اور محمد علی کے نام زیادہ اہم ہیں۔ اُن کے سب سے پیارے دوست حفیظ ہوشیار پوری تھے۔ اُن کے ساتھ ناصر نے طویل عمر گزاری۔ ناصر کے دیگر دوستوں میں انتظار حسین، ریاض، ڈاکٹر عبادت بریلوی، مشکور حسین، شاہد حمید، شہزاد احمد، فرہاد زیدی اور صفدر قابل ذکر ہیں۔ ناصر کے دوستوں میں ہر شعبہ زندگی کے لوگ تھے۔

ناصر بڑے دکھ کی پکار تھے۔ وہ اپنے قافلے سے جدا ہونے والی کونج کی مانند تڑپتے رہے اور ادھر اُدھر منڈلاتے رہے۔ وہ روتے رہے اور رلاتے رہے۔ گئے دنوں کے سراغ میں وہ بیکل سڑکوں پر محو خرام رہتے۔ انھیں دل کے آنگن میں بسے ہوئے لوگ، آنکھوں میں سجے ہوئے لوگ اور روح میں رچے ہوئے لوگ پل پل یاد آتے ہیں۔

کڑے کوسوں کے سناٹے ہیں لیکن
تری آواز اب تک آ رہی ہے

جانے کی اس کے شہر جلدی تھی مگر
اس شہر سے چلے تو ہوا دل اُداس بھی(۱۳)

وہ اُداس ہو سکتے ہیں، تڑپ سکتے ہیں، رو سکتے ہیں، صدا دے سکتے ہیں لیکن گئے دن واپس آ جائیں یہ اُن کے بس کی بات نہیں۔ اُن کے پاس یادوں کا سرمایہ ہے۔ وہ حسین یادوں کے سہارے زندگی بسر کرتے رہے۔ ساون رت کی پون چلتی ہے اور پتوں کی پازیب بجتی ہے تو انھیں کوئی یاد آتا ہے۔

پھر ساون رت کی پون چلی تم یاد یاد آئے
پھر پتوں کی پازیب بجی تم یاد یاد آئے
پھر کا گا بولا گھر کے سونے آنگن میں
پھر امرت رس کی بوند پڑی تم یاد آئے (۱۴)

اور جب ہرے گھاس میں کونجیں بولتی ہیں تو بھی انھیں محبوب یاد آتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

پھر کونجیں بولیں گھاس کے ہرے سمندر میں
رت آئی پیلے پھولوں کی تم یاد آئے(۱۵)

اور ان کو یہ فکر بھی تو لاحق ہے کہ اُن کا چاند کس دیس میں اُترا ہو گا۔

شام سے سوچ رہا ہوں ناصر
چاند کس شہر میں اترا ہو گا(۱۶)

ناصر کاظمی کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ''برگ نے'' مکتبہ کارواں لاہور سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔ غزلوں کا دوسرا مجموعہ "دیوان "۱۹۷۲ء میں منظر عام پر آیا۔ اُن کی وفات کے بعد ایک مجموعہ ''پہلی بارش'' ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ اُن کی نظمیں ''نشاط خواب'' کے نام سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئیں۔ ''سر کی چھایا'' جو کہ منظوم ڈرامہ ہے وہ ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ نثر کا مجموعہ ''خشک چشمے کے کنارے'' ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ علاوہ ازیں ناصر نے کلاسیکی شعرا کے انتخابات بھی کیے جن میں انتخاب میر، انتخاب ولی، انتخاب نظیر اور انتخاب انشا قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ ناصر کی ڈائری چند پریشان کاغذ کے نام سے ۱۹۹۵ء میں منظر عام پر آئیں۔ ان کی وفات کے کے بعد ''دیوان'' کو آدم جی ادبی ایوارڈ بھی ملا۔

ناصر سفر کے دلدادہ تھے۔ بچپن میں گھڑ سواری کا شوق تھا۔ قدیم عمارتوں کو دیکھنا انھیں بے حد پسند تھا۔ شالیمار باغ اور شاہی قلعے کی سیر سے بہت خوش ہوتے۔ کوہ مری جانے کی ہر سال کوشش کرتے۔ آخری بار ۱۹۷۰ء میں مری گئے۔

اب ناصر زیادہ تر خود سے لاپرواہ رہتے۔ وضع قطع سے بھی وہ دیوانے نظر آتے اور گرد و پیش سے بے نیاز رہتے۔ انتظار حسین ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :

> ''حلیہ کے اعتبار سے وہ زیادہ عجیب نہ سہی لیکن جب وہ اکیلا چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے تو واقعی عجیب چیز ہوتا ہے۔ اکثر اس کے ہاتھ میں سگریٹ بھی ہوتی ہے۔ ایک ہاتھ اچکن کی جیب میں، دوسرے ہاتھ میں سگریٹ لگی ہوئی، منہ کا رُخ ترچھے سے انداز میں آسمان کی طرف اور اس عالم میں وہ یوں چلتا ہے گویا قدموں کے نیچے والی مال روڈ وجود ہی نہیں رکھتی اور انار کلی کے بھرے بازار سے وہ اس بے نیازی سے گزرتا ہے گویا وہ ہنگامہ وہ لوگوں کا ہجوم، وہ سجی بنی دکانیں اور کاریں، وہ پری چہرہ لوگ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ ایسے عالم میں وہ اکثر دوستوں کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے۔ سامنے سے گزر جائے گا، دیکھ لے گا اور یار میرے کو پتہ نہیں چلے گا کہ کون گزر گیا۔ ناصر کاظمی اپنی شاعری پر قابو نہیں رکھ سکا۔ اس کی شاعری اس کی زندگی میں گھس آئی ہے۔''(۱۷)

ناصر ہیں اور اُن کی آوارگی ہے۔ اب انھیں سمجھ نہیں آتی کہ وہ بال کس کے لیے بنائیں اور نئے کپڑے کس کے لیے بدلیں۔ اب انھیں اپنی دیوانگی، آوارگی اور رتجگوں کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا اور وہ بجھے ہوئے دل سے یہ کہتے نظر آتے ہیں:

نئے کپڑے بدل کر جاؤں کہاں اور بال بناؤں کس کے لیے
وُہ شخص تو شہر ہی چھوڑ گیا میں باہر جاؤں کس کے لیے
جس دھوپ کی دل میں ٹھنڈک تھی وہ دھوپ اُسی کے ساتھ گئی
ان جلتی بلتی گلیوں میں اب خاک اُڑاؤں کس کے لیے
وہ شہر میں تھا تو اس کے لیے اوروں سے بھی ملنا پڑتا تھا
اب ایسے ویسے لوگوں کے میں ناز اُٹھاؤں کس کے لیے
اب شہر میں اُس کا بدل ہی نہیں، کوئی ویسا جان غزل ہی نہیں
ایوانِ غزل میں لفظوں کے گل دان سجاؤں کس کے لیے
مدت سے کوئی آیا نہ گیا، سُنسان پڑی ہے گھر کی فضا
ان خالی کمروں میں ناصر اب شمع جلاؤں کس کے لیے(۱۸)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ناصر کاظمی کو رات سے خاص اُنسیت تھی۔اُن کی راتیں جاگتی تھیں اور دن سوتے تھے۔اُن کے نزدیک رات تخلیق کی علامت ہے۔رات کو چاند نکلتا ہے اور ناصر دیوانہ وار کھلے آسمان تلے غور و فکر کرتے دُور نکل جاتے ہیں۔ اور خود کلامی کے انداز میں کہتے ہیں۔

میں کیوں پھرتا ہوں مارا مارا
یہ بستی چین سے کیوں سو رہی ہے (۱۹)

چلے تو ہیں جرس گل کا آسرا لے کر
نہ جانے اب کہاں نکلے گا صبح کا تارا(۲۰)

ناصر کو وطن سے بے حد محبت تھی۔انھوں نے ۱۹۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں کئی ترانے لکھے۔

ہر محاذ جنگ پر ہم لڑیں گے بے خطر
وادیوں میں گھاٹیوں سر بکف
بادلوں کے ساتھ صف بہ صف
دشمنوں کے مورچوں پہ ہر طرف
ہر محاذ جنگ پر ہم لڑیں گے بے خطر(۲۱)

ناصر کاظمی اپنے اندر دکھ اتارتے رہے۔اُن کو شراب نوشی کی عادت تھی اور وہ بلا کے تمباکو نوش تھے۔وہ اوسطاً ۷۰ سگریٹ روز پی جاتے تھے۔پان اور چائے بھی اُن کی عادت میں شامل تھے۔اُن کو اچھے کھانے بہت پسند تھے اور مرغن غذاؤں سے خصوصی دلچسپی تھی اور یہ ساری چیزیں صحت اور معدے کے لیے زہر قاتل کا درجہ رکھتی ہیں اس لیے ناصر کی صحت خراب رہنے لگی۔۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو البرٹ وکٹر ہسپتال کمرہ نمبر ۱۳ میں خون کی اُلٹی ہونے کے سبب داخلے ہوئے۔جس کے بعد شعر و ادب کے اس چراغ کی لو رفتہ رفتہ دھیمی پڑنے لگی۔اُن کے عزیزوں کو ڈاکٹروں نے بتا دیا تھا کہ انھیں کینسر جیسا مہلک مرض ہے لیکن ناصر کو نہیں بتایا گیا۔رفتہ رفتہ ایک اندھیرا اور سناٹا اُن کے اندر سرایت کر رہا تھا۔ آخر کار ۲ مارچ ۱۹۷۲ء کی صبح ناصر نئے کپڑے بدل کر اور بال بنا کر نئے سفر پر روانہ ہوئے۔اور اس طرح ایک روتی کرلاتی کونج اپنے قافلے سے مل گئی۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد برطانیہ کے لیے وسیع و عریض خطے پر اپنا اقتدار قائم رکھنا مشکل ہو گیا۔جس کا لازمی نتیجہ تقسیم ہند کی صورت میں نکلا۔انگریز سرکار نے ٹیکس اور لگان کے نام پر باشندگان برصغیر کو خوب لوٹا، جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ انتہائی مفلوک الحال ہو گئے۔تاہم اُن کو ایک امید تھی کہ انگریز سے آزادی کے بعد حالات بہتر ہو جائیں گے۔انگریز سامراج نے برصغیر کو اس طرح تقسیم کیا کہ مسلمان اور ہندو یہاں لڑتے مرتے رہیں تاکہ دُنیا یہ باور کر سکے کہ یہ لوگ حکومت چلانے کے اہل نہیں۔

تقسیم ہند کے بعد جب فسادات شروع ہوئے اور آبادی کا تبادلہ ہوا تو ہندو، سکھ اور مسلمان بڑی ان بڑی امیدیں اور حسرتیں لے کر اپنے اپنے نئے وطن کی طرف روانہ ہوئے۔اپنے گھر بار اور وطن کو چھوڑنا مشکل ہوتا ہے، پھر ہجرت کے دوران لاکھوں لوگ مارے گئے اور اتنے ہی معذور ہوئے۔ مکانات جلائے گئے۔ معصوم بچوں کو والدین کے سامنے قتل کیا گیا۔اور عورتوں کے سامنے ان کے وارثوں کو ذبح کر کے ان پر بھی مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔ بڑی کشت و خون کے بعد دونوں ملکوں میں ہجرت کا عمل مکمل ہوا۔اس کے بعد دونوں ملکوں میں آہستہ آہستہ اقتدار اُنھیں ہاتھوں میں سمٹنا شروع ہو گیا جو انگریز کے دستِ راست تھے۔پاکستان میں محمد علی جناح کی وفات کے بعد اقتدار کی ہوس سبھی وعدوں اور اُمیدوں کو بہالے گئی اور مملکت نوخیز کو پیروں پر کھڑا ہونے کا موقع نہ مل سکا۔سیاسی آقاؤں سے جس طرح سکا اُنھوں نے اس ملک کو لوٹا۔ان حالات میں آزادی ایک دھوکا اور ڈراؤنا خواب نظر آنے لگی۔

فرد اور معاشرے پر مرتب ہونے والے اثرات کی گونج شعر و ادب میں بھی سنائی دینے لگی۔اُمنگوں، ولولوں، جذبوں اور اُمیدوں بھرے خوابوں کو دکھ، کرب، مایوسی اور محرومی جیسی تعبیریں ملیں تو شاعر بھی چپ نہ رہ سکا۔

تو ناصر کاظمی نے یوں کہا:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

وہ صبح آتے آتے رہ گئی کہاں
جو قافلے تھے آنے والے کیا ہوئے

بہاریں لے کے آئے تھے جہاں تم
وہ گھر سُنسان جنگل ہوگئے ہیں
انھیں صدیوں نہ بھولے گا زمانہ
یہاں جو حادثے کل ہو گئے ہیں(۲۲)

ناصر کاظمی کی شاعری کی نشو و نما ۱۹۴۷ء کے آس پاس ہوئی ہے۔اس دور میں شاعری میں نظم نگاری کا رجحان تھا۔اس رجحان کو پروان چڑھانے میں انجمن پنجاب اور ترقی پسندوں کا بڑا عمل دخل تھا۔اگرچہ ترقی پسند شعرا نظمیں لکھ رہے تھے لیکن انھوں نے غزلوں کو بھی بالکل ترک نہیں کیا تھا۔فراق، فیض، ندیم، اور ظہیر اس دور کے اہم غزل گو ہیں۔اس دور میں مشاعروں میں غزل پڑھنا مشکل ہو رہا تھا۔

ہجرت کے بعد احساس شکست، مایوسی، مذہبی اقدار، مالی و جانی ضیاع اور اپنوں سے بچھڑنے کا دکھ اور کرب ایسے عناصر تھے جن کی بدولت غزل میں میریت کا سورج پھر سے طلوع ہونے لگا۔ڈاکٹر ناہید قاسمی کے مطابق:

> ''احساس شکست اور احساس محرومی نے ساری فضا کو افسردہ کر دیا۔تاریخ اردو شاعری میں افسردگی کے سب سے بڑے نمائندہ میر تقی میر تھے۔یوں میر کی طرف مراجعت سے نہ صرف میر کا لب ولہجہ پھر سے گونج اُٹھا بلکہ قدیم بچھڑتی ہوئی قدریں اور روایتیں بھی مکمل طور پر فراموش ہونے سے بچ گئیں۔''(۲۳)

رنگ میر میں طبع آزمائی کرنے والے تو بہت سے شعراء تھے لیکن اُن کے مزاج میر کے مزاج سے مماثل نہ تھے اور نہ ہی وہ میر کا سا احساس رکھتے تھے۔اس لیے وہ ایک بڑے فنکار کی ناکام نقالی کر کے قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے لگے۔ناصر کاظمی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اُنھوں نے میر کی تقلید میں اپنی انفرادیت برقرار رکھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انھوں نے میریت کو نیا رنگ، نیا لہجہ اور نیا اسلوب عطا کرنے کے ساتھ نئے خیالات سے بھی ہم آہنگ کیا۔اُردو غزل کو حیات نو بخشی اور غزل کا کھویا ہوا وقار بحال کیا۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ناصر کی غزل گوئی کے متعلق کہتے ہیں:

> ''ناصر کی لے، اس کی اشاریت، ایمائیت، رمزیت، اس کے الفاظ کا صوتی آہنگ، اس کی زبان کی روانی کا ترنم، اس کے منتشر اشعار کا تسلسل اور ان سب کے امتزاج سے پیدا ہونے والی ایک مجموعی فضا ناصر کی غزلوں میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔اس فضا نے اس کی ہئیت کو جدت سے ہمکنار کیا ہے۔ناصر کی غزلوں میں یہ تجربات اُردو غزل کی ہیت میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔''(۲۴)

ناصر کاظمی کے فن شاعری کی اہم جہات مندرجہ ذیل ہیں:

یادیں:

ناصر کاظمی کو اپنا وطن، اپنے لوگ اور اپنے ساتھی قدم قدم پر یاد آتے ہیں۔وہ آگے بڑھنا چاہتے ہیں لیکن حسین لمحوں کی یادیں اُن سے دامن گیر ہو جاتی ہیں۔اُن کو اپنا بچپن، اپنے کبوتر، تازہ ہوائیں، محبتوں سے لبریز فضائیں، انبالہ کے باغات اور ہریالی رہ رہ کر پکارتے محسوس ہوتے ہیں۔اُن کی پکار صرف ناصر ہی سن سکتے ہیں۔

ایک انوکھی بستی دھیان میں بستی ہے
اُس بستی کے باسی مجھے بلاتے ہیں(۲۵)

ناصر نے یادوں کو ایسا حسین پیراہن عطا کیا ہے جو اُردو شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔بقول ڈاکٹر ناہید قاسمی:

> ''انھیں وہ لوگ یاد آتے ہیں جنھیں وہ لاہور چلے آنے سے پہلے انبالے میں چھوڑ آئے۔وہ بھی جنھیں ناصر رفتگاں کہتے ہیں اور وہ بھی جو تہذیب واقدار کی ایسی نشانیاں تھے جو اب مٹتی جا رہی ہیں۔''(۲۶)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

جب بھی نئے سفر پر جاتا ہوں ناصر
پچھلے سفر کے ساتھی دھیان میں آتے ہیں(۲۷)

ساری رات جگاتی ہے
بیتے لمحوں کی جھانجن(۲۸)

اس قدر رویا ہوں تیری یاد میں
آئینے آنکھوں کے دھندلے ہو گئے(۲۹)

کیا زمانہ تھا کہ ہم روز ملا کرتے تھے
رات بھر چاند کے ہمراہ پھرا کرتے تھے

پھر اس کی یاد میں دل بے قرار ناصر
بچھڑ کے جس سے ہوئی شہر شہر رسوائی

عشق

ناصر کاظمی کی شاعری متنوع موضوعات کا احاطہ کرتی ہے اور ہر موضوع کو انھوں نے نئے رنگ اور تازگی سے پیش کیا ہے۔ وہ خوب صورت، رنگین اور دلکش تمثالوں کی مدد سے اپنے قاری کو مخصوص فضا میں لے جاتے ہیں، جہاں وہ مسحور ہو کر گردو پیش سے غافل ہو جاتا ہے۔ عشق و محبت کو اپنے تجربات میں سمو کر اُنھوں نے بالکل اچھوتے انداز میں شاعری کی زینت بنایا ہے۔ ناصر کاظمی محبوب کی فقط پرستش ہی نہیں کرتے بلکہ انھیں محبوب کے نام سے کبھی کبھی وحشت بھی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر ناہید قاسمی اس ضمن میں کہتی ہیں:

"ہماری اُردو غزل کی روح رواں محبت کا جذبہ ہے اور ناصر کاظمی کی غزل کا خاص موضوع عشق ہی ہے مگر یہ عشق سطحی اور جامد نہیں ہے۔ ان کے عشق کی وسعت میں زندگی کی پنہائیاں موجود ہیں۔" (۳۰)

دل میں تیری یادوں نے
کیسے کیسے رنگ بھرے(۳۱)

ترے خیال سے لو دے اُٹھی ہے تنہائی
شب فراق ہے یا تیری جلوہ آرائی(۳۲)

یوں کس طرح کٹے گا کڑی دھوپ کا سفر
سر پر خیال یار کی چادر ہی لے چلیں(۳۳)

اور محبوب کی یاد میں ناصر کا کیا حال ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

کہاں ہے تو کہ تیرے انتظار میں اے دوست
ساری رات سلگتے ہیں دل کے ویرانے (۳۴)

ہوتی ہے تیرے نام سے وحشت کبھی کبھی
برہم ہوئے ہے یوں بھی طبیعت کبھی بھی (۳۵)

لیکن اس وحشت کے باوجود انھیں محبوب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

اے دوست ہم نے ترک محبت کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی(۳۶)

او پچھلی رت کے ساتھی
اب کے برس میں تنہا ہوں(۳۷)

مختلف کیفیتوں کا موثر اظہار:

جذبہ واحساس کی بعض ایسی نازک صورتیں اور کیفیتیں ہوتی ہیں جن کا اظہار مشکل ہوتا ہے۔ جو صورت یا کیفیت شاعر پر گزری ہے۔ اگر قاری پر بھی وہ کیفیت ویسے ہی طاری ہو جائے تو اسے کیفیتوں کی شاعری کہا جاتا ہے۔ ناصر کی شاعری مختلف کیفیات کا حسین بیان ہے۔ اور اس باب میں اُنھیں معاصر شعرا میں امتیاز حاصل ہے۔

ڈاکٹر حنیف فوق نے بتایا ہے کہ:

"ناصر کاظمی نے فراق سے کیفیت نمائی کا انداز لے کر اسے جدید (جدید تر نہیں) غزل کے ایک نئے دور کا نعرہ جہاد بنا دیا۔۔۔ ناصر نے غزل کو کیفیتوں کی دریافت و اظہار کا ذریعہ بنایا ہے کیونکہ انہیں اس کا احساس ہے کہ اب تک غزل سے جذبہ و خیال کی ترجمانی کا کام تو لیا گیا ہے لیکن رنگ، فضا، احساس و کیفیت کے بہت سے نقوش روشن نہیں ہونے پائے ہیں۔"(۳۸)

تو ہے اور بے خواب دریچے
میں ہوں اور سنسان گلی ہے(۳۹)

سو گئے لوگ اس حویلی کے
ایک کھڑکی مگر کھلی ہے ابھی(۴۰)

سب اپنے گھروں میں لمبی تان کے سوتے ہیں
اور دور کہیں کوئل کی صدا کچھ کہتی ہے (۴۱)

آج تو یوں خاموش ہے دنیا
جیسے کچھ ہونے والا ہے(۴۲)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

درج بالا شعر کی طرح اور بھی بہت سارے اشعار میں ان کے خدشات دیکھنے کو ملتے ہیں یہ خدشات اس انسان کے ہیں جس کے پاؤں کسی زمین کے ساتھ مضبوطی سے نہ جڑے ہوئے ہوں اور جو ژاپنی آنکھوں سے زمانے کے بہت سے سرد و گرم دیکھ چکا ہوں جس۔کا مسلمات سے یقین اٹھ چکا ہو۔

اکیلی گھر سے پوچھتی ہے بے بسی
تیرا دیا جلانے والے کیا ہوئے

اُداسی کا شاعر:

ناصر کاظمی اور اداسی لازم وملزوم قرار پائے۔اس کی وجہ سیاسی و سماجی حالات اور ذاتی حالات ہیں۔اُنھیں ہجرت کے کرب سے دوچار ہونا پڑا۔انبالہ نے ناصر کو ہر طرح سے پیار دیا۔ناصر کی بچپن سے تربیت ہی ایسے ہوئی تھی کہ اُس نے جو مانگا،اسے دے دیا گیا۔ہنستے بستے گھروں کو چھوڑنا۔اپنوں سے بچھڑنا،محبت میں ناکامی اور ہاں! جاں سے عزیز کبوتروں کو انبالہ میں چھوڑنا اور مانوس فضاؤں کو خیر باد کہنا،ایسے جذباتی صدمات تھے جو ناصر کاظمی جیسے نازک مزاج انسان کے لیے کوہ گراں تھے۔لیکن شہزادوں کی طرح پلے بڑھے ناصر نے درد و غم کا یہ بار امانت خدا کی عطا سمجھ کر خوش اسلوبی سے اُٹھایا۔ناصر اور میر کے نہ صرف حالات مماثل ہیں بلکہ مزاج بھی مماثل تھے۔ظاہری طور پر تو ناصر لاہور چلے آئے لیکن اُن کا قلب و ذہن ہمیشہ انبالہ ہی میں اٹکا رہا۔اُنھوں نے شاعری میں جب اپنی دکھ بھری کہانی سنائی تو ہر کسی کو اپنے دل کی آواز محسوس ہوئی۔

بقول ڈاکٹر ناہید قاسمی:

"دراصل ناصر نے میر کی روایت کو اپنے اندر جذب کر لیا اور جب ان کے یہاں ان کی اپنی غزل آگئی تو اس میں یہ "میریت" اس طرح گھل مل گئی تھی کہ علیحدہ سے پہچانی نہ جاتی تھی۔میر، ناصر کے لیے ایک تحریک بن گئے۔انہیں نئے تخلیقی تجربوں کے اظہار کے لیے اکسانے والے بن گئے۔میر سے مماثلت ناصر کی غزل کو طاقت دینے والا ایک منبع ہے۔یوں جب ناصر یہ کہتے ہیں کہ:

مل ہی جائے گا رفتگاں کا سراغ
اور کچھ دن پھرو اُداس اُداس

تو ناصر کے ہاں یہ اُداسی بھی تخلیقی قوت بن گئی ہے۔ناصر کے یہاں ان کی ذاتی اُداسی کی جو گھٹا اُمڈی تھی،وہ ساری کائنات پر پھیل گئی۔یوں ناصر کی اُداسی میں سارا جہاں سمٹ آیا۔"(۴۳)

وہی ہوئی ہے جو ہونی تھی
وہی ملا جو لکھا تھا
دل کو یونہی سا رنج ہے ورنہ
تیرا میرا ساتھ ہی کیا تھا
کس کس بات کو روؤں ناصر
اپنا لہنا ہی اتنا تھا

دل تو میرا اداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ہمارے گھر کی دیواروں پر ناصر
اداسی بال کھولے سو رہی ہے

رجائیت کا پہلو:

ناصر کاظمی دُکھی دلوں کی فریاد ہیں۔اُداسیاں، تنہائیاں اور نامرادیاں ناصر کا اوڑھنا بچھونا ہیں لیکن اس کے باوجود وہ نااُمید نہیں ہیں۔"برگ نے" سے اداسی کا طویل سفر شروع کرنے والا ناصر رفتہ رفتہ ایمان وایقان سے سہارا پاکر بہل گیا۔اب اُن میں اتنی طاقت و توانائی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ نہ صرف نئے سفر کے لیے تیار ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اُمید دلانے لگے ہیں۔اور صبر کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔

تیرے قدموں سے جاگیں گے اجڑے دلوں کے ختن
پا شکستہ غزال حرم صبر کر صبر کر
یہ محلات شاہی تباہی کے ہیں منتظر
گرنے والے ہیں ان کے علم صبر کر صبر کر
پہلے کھل جائے دل کا کنول پھر لکھیں گے غزل
کوئی دم اے صریر قلم صبر کر صبر کر(۴۴)

اور ان کو بہتری کے آثار بھی تو نظر آ ہی گئے۔

گہری نیند سے جاگو ناصر
وہ دیکھو سورج نکلا ہے(۴۵)

ختم ہوا تاروں کا راگ
جاگ مسافر اب تو جاگ(۴۶)

فطرت اور مناظرِ فطرت سے گہرا لگاؤ:

ناصر کو فطرت سے محبت ہے۔اُن کو خاموش اور پر سکون فضا میں غور و فکر کرنا اور مظاہر فطرت کی سرگوشیاں سننا پسند ہے۔سورج، تارے، کہکشاں، سڑکیں، روشنیاں، گھاس، جھیل، درخت، رات، خوشبو، کھیت مگن، شام، ہوا، کرن، چاند اور چاندنی ناصر کے دوست، ساتھی اور ہم نوا و ہم سفر ہیں۔وہ اپنے وطن کی سی فضا کی تلاش میں سرگرداں ہیں لیکن اُن مانوس فضاؤں کی بازیافتگی کی صورت نظر نہیں آتی۔بے شک اُن کی شاعری میں اُداس فضا پائی جاتی ہے لیکن یہ فضا انسان کو مسحور کر کے غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔

بقول سمیہ تمکین:

"ناصر کو زندگی بہت عزیز ہے وہ اس سے اکتاتے نہیں۔زندگی بسر کرنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ان کو انسان اور انسانی حسن کے علاوہ فطرت کے مناظر سے بھی دلچسپی رہی ہے اور موسموں سے لطف حاصل کیا ہے۔ ان تمام پہلوؤں کی ترجمانی ناصر کاظمی نے اپنی شاعری بالخصوص غزلوں میں کی ہے۔"(۴۷)

ساز ہستی کی صدا غور سے سن
کیوں ہے یہ شور برپا غور سے سن
یاس کی چھاؤں میں سونے والے
جاگ اور شور ذرا غور سے سن(۴۸)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

یوں مجموعی طور پہ ہم دیکھتے ہیں کہ ناصر کاظمی کے ہاں فکری پہلوؤں میں بہت تنوع ہے، ناصر ایک باشعور فنکار ہیں ان کو معاشرے میں پائی جانے والی بے چینی کا مکمل ادراک تھا یہی وجہ ہے کہ انکا باطن ہمیشہ اداسرظا یہی اداسی اور ہجرت کا دکھ ان کی غزل کا بنیادی حوالہ ہے۔ان کی غزل میں پرانی یادوں اور ماضی پرستی کے موضوعات بھی ہجرت کے المیے ہی کی بدولت پھوٹے۔ناصر چونکہ میر تقی میر کے شعری قبیلے سے تعلق رکھنے والے غزل گو ہیں اور بہت حد تک میر تقی میر کے زمانے کے حالات اور ذاتی زندگی کے معاملات و مسائل ناصر کے عہد کے سیاسی و سماجی حالات سے ملتے جلتے ہیں اسی لیے ان دونوں کی شاعری میں ہجرت کے تلخ تجربات محبوب سے جدائی ماضی پرستی اپنی زمین سے بے دخلی جیسے موضوعات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ناصر کاظمی نے بیسویں صدی کے وسط میں جبکہ غزل کیطرف توجہ کرنا گویا اوکھلی میں سر دینے کے مترادف تھا غزل لکھ کر نہ صرف اس میں نئی روح پھونکی بلکہ اس کی آبرو کو بھی بحال کیا کہ اس زمانے میں نظم کا طوطی بول رہا تھا اور غزل کی گردن زدنی کی باتیں ہو رہی تھیں لیکن ناصر کی غزل نے ثابت کیا ہے غزل بطور صنف اتنی لچک رکھتی ہے کہ اس کو نظم کے متبادل کے طور پر آسانی سے رکھا جا سکتا ہے اور اس میں ہر طرح کا موضوع بیان کرنے کی اہلیت بھی ہے۔

حوالہ جات

۱۔کاظمی،ناصر(۱۹۹۵ء)،چندپریشاں کاغذ،مرتب:حسن سلطان کاظمی،لاہور،مکتبہ خیال،ص۱۴

۲۔ایضاًص ۲۶

۳۔ٹی۔وی۔انٹرویو

۴۔کاظمی،ناصر(۱۹۹۵ء)،چندپریشاں کاغذ،مرتب:حسن سلطان کاظمی،لاہور،مکتبہ خیال،ص۱۸

۵۔ کلیات ناصر کاظمی ،فضل حق اینڈ سنز ،لاہور ۱۹۹۲، ص ۷۸

۶۔کاظمی،ناصر(۱۹۹۵ء)،چندپریشاں کاغذ،مرتب:حسن سلطان کاظمی،لاہور،مکتبہ خیال،ص۱۵

۷۔بریلوی،عبادت(۱۹۹۵ء)،غزل اور مطالعہ غزل،کراچی،انجمن ترقی اُردو پاکستان،ص۲۰۹

۸۔کلیات ناصر،ص۱۱۲

۹۔ایضاً،ص۱۱۷

۱۰۔ایضاً،ص۱۲۷

۱۱۔ایضاً،ص۱۹۸

۱۲۔تمکین،سمیہ(۲۰۱۳ء)،ناصر کاظمی کی شاعری میں پیکر تراشی،دہلی،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،ص۲۹

۱۳۔ایضاً،ص

۱۴۔ایضاً،ص۱۸۱

۱۵۔ایضاً،ص

۱۶۔ایضاً،ص۲۱۰

۱۷۔حسین،انتظار(مئی ۱۹۵۲ء)،آنکھ رکھتا ہے تو پہچان مجھے،مشمولہ نقوش،لاہور،ادارہ فروغ اُردو،ص۱۷۱

۱۸۔ایضاً،ص۲۲۷

۱۹۔ایضاً،ص۲۱۳

۲۰۔ایضاً،ص۲۸۱

۲۱۔ نشاط خواب، مشمولہ ،کلیات ناصر، ص ۳۲۰

۲۲۔ قاسمی، ناہید(۲۰۰۸ء)،ناصر کاظمی: شخصیت اور فن، لاہور ، سنگ میل پبلی کیشنز ، ص ۹۲
۲۳۔بریلوی، عبادت (۱۹۵۵ء)، غزل اور مطالعہ غزل، کراچی، انجمن ترقی اُردو پاکستان، ص ۶۱۲۔۶۱۳
۲۴۔قاسمی،ناہید(۲۰۰۸ء)،ناصر کاظمی: شخصیت اور فن ،لاہور ،سنگ میل پبلی کیشنز، ص۱۲۷
۲۲۵۔کلیات ناصر،ص۲۷۹
۲۶۔ قاسمی،ناہید(۲۰۰۸ء)،ناصر کاظمی: شخصیت اور فن ،لاہور ،سنگ میل پبلی کیشنز، ص۱۲۲
۲۷۔کلیات ناصر،ص۲۷۹
۲۸۔ایضاً،ص۳۱۳
۲۹۔ایضاً،ص۲۹۸
۳۰۔فوق،حنیف(جنوری۱۹۶۹ء)،اُردو غزل کے نئے زاویے،مشمولہ،فنون---جدید غزل نمبر،جلداول،لاہور،ص۱۱۷
۳۱۔ کلیات ناصر،ص۳۹۹
۳۲۔ ایضاً،ص۳۱۳
۳۳۔ایضاً،ص۳۳۷
۳۴۔ ایضاً،ص۳۲۹
۳۵۔ ایضاً،ص۳۳۱
۳۶۔ایضاً،ص
۳۷۔ ایضاً،ص ۳۴۳
۳۸۔قاسمی،ناہید(۲۰۰۸ء)،ناصر کاظمی: شخصیت اور فن،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،ص۱۱۷
۳۹۔کلیات،ناصر،ص۳۵۱
۴۰۔ایضاً،ص۳۴۸
۴۱۔ ایضاً،ص۳۵۳
۴۲۔ایضاً،ص۳۳۷
۴۳۔ تمکین،سمیہ(۲۰۱۳ء)،ناصر کاظمی کی شاعری میں پیکر تراشی،دہلی،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،ص۷۸
۴۴۔کلیات ناصر،ص۳۸۸
۴۵۔کلیات ناصر،ص۳۵۳
۴۶۔ایضاً،ص۳۵۱
۴۷۔ تمکین،سمیہ(۲۰۱۳ء)،ناصر کاظمی کی شاعری میں پیکر تراشی،دہلی،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،ص۸۶
۴۸۔ کلیات ناصر،ص ۳۷۸